مولانا الطاف حسین حالی کی محققانہ بصیرت

ڈاکٹر الماس خان، اسسٹنٹ پروفیسر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Maulana Altaf Hussain Hali is generally known as poet, biographer and critic. But in this article, it is explored that Hali has great research ability and he is appeared as a great researcher with reference to his biographies, where he presented history of his beloved personalities with facts.

عہدِ سر سید کو ایک طرف مسلمانوں کے سیاسی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی زوال کا دور قرار دیا جاتا ہے تو دوسری طرف یہی دور اُردو زبان و ادب کے عروج کا دور قرار پاتا ہے۔ اُردو تحقیق کے عناصر بھی اسی دور میں پنپتے نظر آتے ہیں۔ سر سید احمد خان اور ان کے رفقا نے اُردو تحقیق کی روایت کے استحکام میں بھی کلیدی کردار ادا کیا۔ سر سید احمد خان کے رفقا میں سے حالی نے بھی اس عہد کے تحقیقی سرمائے میں اضافہ کیا۔ حالی کی سب سے اوّلین نثری تصنیف ''تریاقِ مسموم'' ہے جو ۱۸۶۷ء میں ایک نیٹو کرسچین کی کتاب کے جواب میں لکھی گئی، اسی دور میں انہوں نے علم طبقات الارض پر ایک کتاب کا ترجمہ کیا۔ عورتوں کی تعلیم سے متعلق ایک کتاب ''مجالس النساء'' لکھی۔ بعدازاں انہوں نے سوانح نویسی کی طرف توجہ کی اور تین سوانح عمریاں ''حیاتِ سعدی' یادگارِ غالب'' اور ''حیاتِ جاوید'' لکھیں جنہیں اُردو میں سوانحی تحقیق کا نقطہ آغاز بھی کہا جا سکتا ہے۔ حالی کی ادبی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ ان کی تحریرات کا قدیم رنگ اور دوسرا حصہ ان کی تحریرات کا جدید رنگ۔ حالی کی تحریرات کا قدیم رنگ وہی ہے جو انیسویں صدی کے نصف اول میں عام طور سے رائج تھا یعنی مناظرے کی فضائیں (عبداللہ، ۱۹۶۷: ۱۶۸۔۱۶۹)۔ اس دور میں عیسائی مشنریز اور پادری تیزی سے سرگرمِ عمل تھے اور مذہب اسلام کی مخالفت میں زہرآلود تحریری مواد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا یہی وجہ ہے کہ اس دور کے مسلمان نثر نگاروں نے اس پہلو پر توجہ دی اور حتی الامکان یا مقدور بھر ان کتابوں کے جواب لکھے جو کہ غیر مسلموں کی طرف سے لکھی جا رہی تھیں۔ سر سید احمد خان نے بھی خاص طور سے ''خطباتِ احمدیہ'' لکھ کر مدلل تحقیق کو تقویت بخشی، حالی بھی اس کاروانِ تحقیق میں شریک ہوئے اور تریاقِ مسموم کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ایک پادری کی اسلام کیخلاف کتاب کا مدلل جواب ہے۔ ''تریاقِ مسموم'' ایک مدافعانہ کوشش تھی۔ اسی طرح حالی نے پادری عمادالدین کی ایک کتاب تاریخ محمدی کے جواب میں ایک رسالہ میلاد شریف تبصرہ کے طور پر لکھا۔ یہ بھی ایک لحاظ سے مناظرے کی چیز ہے (عبداللہ، ۱۹۶۷: ۱۶۹)۔ ان دونوں کتابوں میں تحقیقی اندازِ فکر کارفرما ملتا ہے لیکن ابھی یہ فکر پختہ نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ دور آتا ہے جب حالی صحیح طور سے حالی بنتے ہیں۔ اُردو زبان

کا ایک نیا اسلوب اور ایک نیا اندازِ فکر پیدا کرتے ہیں (ایضاً)۔ اس دور کا اہم ترین ادبی کارنامہ ان کی ''سوانح عمریاں'' ہیں اور حالی کا تحقیقی سرمایہ بھی یہی سوانح عمریاں ہیں۔ سرسید کے دور میں سوانح نگاری کے فن نے خاص ترقی کی اور اس سے تحقیق کے سوتے بھی پھوٹے کیونکہ سوانح نگار کسی بھی شخصیت کی ہو بہو تصویر پیش کرتا ہے اس کے لیے وہ اس شخصیت کے زمانے سے رجوع کرتا ہے' حالات و واقعات کی کانٹ چھانٹ کرتا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے سوانح عمری کے چار اصول بتائے ہیں کہ:

''(۱) صداقت' غیر جانبداری اور ہو بہو تصویر ہونا

(۲) جزئیات میں داخلی اور باطنی تصویر ہونا

(۳) کتاب کا ادبی چیز ہونا Selected Details

(۴) جامعیت ہونا یعنی Chronolgical Order

کے تحت ارتقا اور اٹھان کا تدریجی بیان ہو'' (۱۹۶۷:۱۷۲)

اسی لئے سوانح عمری کو سائنس بھی قرار دیا جاتا ہے جس کی صداقت ثابت ہو سکتی ہے۔ سوانح عمری بھی صداقت ناپنے کا پیمانہ تصدیق ہے (ایضاً) اور تحقیق کی بنیاد بھی صداقت ہی پر ہے۔ سوانح نگار بھی سچ کی تلاش اور جستجو کرتا ہے۔ سرسید اور ان کے رفقاء نے سچ کی تلاش پر توجہ مبذول کی تاکہ زوال آمادہ مسلم قوم کے سامنے سچ لایا جائے۔ ان کے حوصلے بڑھیں اور ان کی امیدیں جوان ہوں اور یہی جذبہ سوانح نگاری کا بھی محرک بنا۔

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''اس دور کی سوانح نگاری کا سرچشمہ تحریک جذبہ احیائے قومی ہے۔ چنانچہ عمدہ ترین سوانح عمریاں بزرگوں اور ناموروں کی یادگار کے بجائے قوم کی ترقی کے خیال سے لکھی گئی ہیں'' (۱۹۹۴:۹۱)

ڈاکٹر سید عبداللہ ''طیفِ نثر'' میں لکھتے ہیں:

''حالی اُردو میں باقاعدہ سوانح نگاری کے بانی ہیں'' (۱۹۶۷:۱۷۳)

سوانح نگاری کی اوّلین کوشش حالی نے فارسی میں کی۔ لاہور سے واپس دہلی آنے کے بعد (اور غالباً مسدس کی تصنیف سے فارغ ہو کر) انہوں نے حکیم ناصر خسرو کے سفرنامے کی تصحیح کی اور اسے ۱۸۸۲ء میں ایک سوانحی مقدمے کے ساتھ شائع کیا (حمید، س ن: ۳۱) اور اس کے لکھنے میں حالی نے سخت محنت کی اور تحقیق و جستجو سے کام لیا۔ اس ابتدائی کوشش کے بعد حالی نے اپنا سوانحی کام جاری رکھنے کیلئے پھر فارسی ادب ہی کی طرف رجوع کیا اور دنیائے اسلام کے شہرۂ آفاق شاعر و نثار شیخ سعدی شیرازی کی سیرت اُردو میں لکھی۔ یہ تصنیف ''حیاتِ سعدی'' کے نام سے ۱۸۸۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی اشاعت نے سیرت نگاری کو اُردو میں بطور ایک مستقل فن کے قائم کر دیا (حمید، س ن: ۳۲)

اس ضمن میں شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ''حیاتِ سعدی'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''حیاتِ سعدی مولانا حالی نے اس زمانے میں لکھی جب تنقید و سیرت نگاری کا کوئی قابل ذکر نمونہ اردو زبان میں موجود نہ تھا'' (۱۹۷۰)

حالی نے اس کتاب کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے۔ یہ دو ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ شیخ سعدی کے سوانحی حالات پر مشتمل ہے اور دوسرے حصے میں شیخ سعدی کی تصانیف کا تفصیلی ذکر ہے اور خاتمے میں عام حالات اور شاعری پر اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔ حالی کے سامنے اس سے قبل اردو سوانح نگاری کا کوئی با قاعدہ نمونہ موجود نہ تھا۔ انہوں نے اس سوانح کے لکھنے میں جگر کاوی سے کام لیا اور حتی المقدور ماخذات تک رسائی کی کوشش کی۔ اپنی اس محققانہ کاوش کے بارے میں حالی ''حیات سعدی'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ''جس قدر صحیح اور معقول باتیں تذکروں سے معلوم ہوسکتی تھیں، ان کے علاوہ بعض حالات خود شیخ کے کلام سے استنباط ہے اور نیز اس عہد کی تاریخ کے اکثر واقعات کا سراغ لگایا اور کچھ باتیں علی بن احمد جامع کلیات شیخ کے دیباچے سے اخذ کیں اور کچھ کچھ انگریزی کتابوں سے بھی مدد ملی اور ان تمام معلومات کو جہاں تک ممکن تھا، لائف کی صورت میں مرتب کیا'' (۱۹۷۰: ۵)

حالی نے استدراجی اور استخراجی طریقہ تحقیق سے کام لیا اور سعدی کے حالات دریافت کرنے کیلئے خود سعدی کے کلام سے بھی مدد لی اور تذکروں کی طرف بھی رجوع کیا۔ ''حیات سعدی'' میں حالی نے جن ماخذات کی طرف رجوع کیا ہے، وہ یہ ہیں:

> ''(۱) شعراء کے تذکرے: خاص طور پر سرگوراوسلی کا تذکرہ
> (۲) معاصرانہ تاریخیں
> (۳) کلیات شیخ سعدی: مخطوطہ مخزونہ کتاب خانۂ دیوان ہند، لندن (۱۱۱۷)، سنہ کتابت ۷۲۸ھ'' (۱۹۷۰: ۵)

''حیات سعدی'' کے تحقیقی پہلو کے حوالے سے اس کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے مالک رام لکھتے ہیں:

> ''تحقیقی پہلو سے حیاتِ سعدی کا درجہ سب سے افضل ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ (۱۸۸۲ء) میں شائع ہوئی تھی۔ پچھلے پچاسی برس میں کئی نئے ماخذ دریافت ہوئے، فکر ونظر کے زاویے تک بدل گئے! لیکن حیاتِ سعدی میں حالی جو کچھ لکھ گئے ہیں، اس پر اضافہ نہ ہو سکا'' (سلطانہ، ۲۰۰۱: ۸۳)

حالی نے ''حیاتِ سعدی'' لکھ کر نہ صرف ''شیخ سعدی'' کے حالات و واقعات کو محفوظ کیا بلکہ سوانح اور تحقیق کے اصول بھی متعین کئے اور جدید اندازِ بیان بھی متعارف کرایا۔ حالی نے ''حیات سعدی'' کے ذریعے پہلی بار اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ کسی شخصیت کیلئے ''صیغہ جمع'' کے بجائے ''صیغہ مفرد'' استعمال کرنا خلافِ تعظیم نہیں بلکہ یہ سوانح نگاری کا تقاضا ہے کہ کسی بھی شخصیت کا ذکر ''صیغہ مفرد'' کے ساتھ ہی کیا جائے۔ حالی ''حیاتِ سعدی'' میں ''اعتذار'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> ''ہماری زبان میں، جیسا کہ ظاہر ہے، کسی کو صیغۂ جمع کے ساتھ ذکر کرنا عموماً اس کی تعظیم کی علامت سمجھی جاتی ہے اور صیغۂ مفرد کا استعمال خلافِ تعظیم خیال کیا جاتا ہے مگر میں نے اس مضمون میں باوجودیکہ شیخ کی عظمت مجھ سے بڑھ کر بہت کم لوگوں کے دل میں ہوگی، اس کو برابر فعل مفرد اور ضمیر مفرد کے ساتھ یاد کیا ہے'' (۱۹۷۰: ۷)

''حیات سعدی'' اُردو زبان کی با قاعدہ اولین سوانح عمری اور محققانہ کاوش ہے۔ حالی نے مطلوبہ مواد تک رسائی کی ہرممکن کوشش کی اور یہی وجہ ہے کہ آج بھی اس کتاب کو استناد کا درجہ حاصل ہے اور شیخ سعدی کے بارے میں یہ اہم ترین ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں کچھ محققانہ کمیاں موجود ہیں کہ حالی نے ماخذات کا ذکر تو کیا ہے لیکن حوالے کے صفحات درج نہیں کیے۔ سنین بہت کم درج کیے ہیں اور کچھ معلومات ناقص بھی درج کی ہیں لیکن اس سے اس کے مقام و مرتبہ میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اس ضمن میں شیخ محمد اسماعیل پانی پتی لکھتے ہیں:

> ''حیات سعدی میں مندرج کچھ معلومات اگر چہ بعد کی تحقیقات کی رُو سے کسی حد تک ساقط الاعتبار ہو گئی ہیں (دیکھیے سعدی نامہ از حبیب یغمائی' مطبوعہ تہران) لیکن جس وقت حالی نے یہ کتاب لکھی تھی تو اربابِ فضل و کمال کے سامنے بہت ہی تھوڑا مواد منتشر صورت میں تھا، اس کے بعد سعدی کے حالات کی جانب توجہ کی گئی اور تحقیقات کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا'' (۱۹۷۰)

بعد کی تحقیقات کی بنیاد حالی کا یہ تحقیقی کارنامہ ہے یہ کتاب آج بھی (اپنے زمانۂ تصنیف سے تقریباً ایک صدی بعد) سعدی کے حالاتِ حیات اور شعر و حکمت پر اردو زبان میں لکھا ہوا بہترین تعارف ہے (حمید، س ن: ۳۳)

ڈاکٹر سید عبداللہ ''حیاتِ سعدی'' کو اُردو کی بہترین سوانح عمری اور اعلیٰ درجہ کی محققانہ کاوش قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> ''حیاتِ سعدی کا تعلق ریسرچ اور تحقیق سے ہے، ایک سوانح عمری کے مصنف کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے ہیرو کے متعلق تمام مواد اکٹھا کرے پھر اس میں تحقیق و تدقیق کے ذریعے مستند اور ضروری کو غیر مستند اور غیر ضروری سے الگ کرے۔ سعدی کے حالاتِ زندگی متفرق طور پر پرانی کتابوں میں موجود تھے جن میں سے اکثر تنقید کے محتاج تھے۔ حالی سے پہلے جو سوانح عمریاں انگریزی زبان میں لکھی گئی تھیں مثلاً سر گوراوسلی کا تذکرۂ شعراء اور چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کا مضمون، وہ بھی محققانہ چھان بین کی محتاج تھیں۔ مولانا حالی نے علاوہ اس ذخیرۂ معلومات کے کلیاتِ سعدی سے بہت سے واقعات کا استقصا کیا ہے۔ اگر چہ خود مصنف کے کلام سے واقعات اخذ کرنے کا قاعدہ پہلی سوانح عمریوں میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہے لیکن حالی کا استقصا مکمل ہے۔ پس جہاں تک کتاب کے جامع ہونے کا تعلق ہے' حیاتِ سعدی غالباً مفصل ترین سوانح عمری ہے'' (۱۹۹۴: ۱۰۲)

حالی کے معاصرین میں سے شبلی کا مقام بھی سوانح نگاری کے حوالے سے نہایت بلند ہے۔ شبلی نے بھی حالی کی اس محققانہ کاوش کو سراہا ہے۔ اسماعیل پانی پتی ''حیات سعدی'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> ''مولانا شبلی نے جب ''شعرالعجم'' میں سعدی کا عنوان قائم کیا تو لکھا:
> مولوی الطاف حسین صاحب حالی نے 'حیاتِ سعدی' میں سعدی کے حالات اور شاعری پر جو کچھ لکھ دیا، اس کے بعد کچھ لکھنا بے فائدہ ہے'' (۱۹۷۰)

ڈاکٹر عبدالقیوم ''حالی کی اُردو نثر نگاری'' میں لکھتے ہیں:

''تحقیقی اور تنقیدی اعتبار سے اُردو میں یہ کتاب سعدی کی شخصیت اور کلام کا بہتر سے بہتر جائزہ ہے''

(۱۹۶۴:۱۴۴)

حالی کے سوانحی ادب کی دوسری کڑی ''یادگارِ غالب'' (۱۸۹۷ء) ہے۔ یہ سوانح عمری بھی دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں مرزا غالب کے حالاتِ زندگی اور اخلاق و عادات و خیالات کا بیان ہے جبکہ دوسرے حصہ میں مرزا کے کلام پر ریویو ہے اور اس کا انتخاب شامل ہے۔ اس کی تصنیف کا اصل سبب یہی تھا کہ غالب کے شاعری کے ملکے کو عام لوگوں پر ظاہر کیا جائے تاکہ عام لوگ غالب کی شاعرانہ عظمت سے آگاہ ہوں۔ جیسا کہ حاؔلی نے خود سبب تصنیف کی نشاندہی ''یادگارِ غالب'' کے دیباچے میں کی ہے:

''اصل مقصد اس کتاب کے لکھنے سے شاعری کے اس عجیب وغریب ملکے کا لوگوں پر ظاہر کرنا ہے جو خداتعالیٰ نے مرزا کی فطرت میں ودیعت کیا تھا'' (۱۹۶۳: ۵)

اور جو باتیں اس بنیادی مقصد سے علاقہ نہیں رکھتیں، حالی کے نزدیک انہیں کتاب کے موضوع سے خارج ہی خیال کرنا چاہیئے۔ حاؔلی نے یہ کتاب اپنے دوستوں کے اصرار پر اور انتہائی عجلت میں مکمل کی اس لئے یہ عرصہ دراز سے ناقدین کی تنقید کا نشانہ بنی ہوئی ہے کہ اس میں محققانہ سقم پایا جاتا ہے اور یہ کہ غالب چونکہ حالی کے عہد کی شخصیت تھے اس لئے ان کے بارے میں تمام تر ماخذات تک رسائی حالی کے لئے قطعاً مشکل امر نہ تھا لیکن انہوں نے عجلت کے سبب تساہل سے کام لیا جس کی وجہ سے غالب کی زندگی کے بہت سے گوشے تشنہ رہ گئے۔ حالی نے دِلی میں قیام کے دوران ہی غالب کے بارے میں مواد کی جمع آوری کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور ان کے حالات اور اخلاق و عادات کا جو کچھ سراغ ملا، ان کو قلمبند کر لیا تھا۔ جو کچھ اپنے حافظے میں موجود تھا اور جو کچھ دوستوں سے معلوم ہوا، سب لکھ لیا لیکن ناگزیر وجوہات کی بناء پر یہ کام مکمل نہ کر سکے اور جب دوبارہ تکمیل کا ارادہ کیا تو دوبارہ سے مرزا کے حالات دریافت کرنے کیلئے سرگرم ہوئے۔ حالی لکھتے ہیں:

''میں نے دلی کے بعض بزرگوں اور دوستوں کو لکھا اور انہوں نے مہربانی فرما کر میری تمام مطلوبہ کتابیں اور جس قدر مرزا کے حالات ان کو معلوم ہو سکے، لکھ کر میرے پاس بھیج دیئے اور اس طرح مرزا کی لائف جہاں تک کہ اس کی تکمیل ہو سکتی تھی، مکمل ہو گئی'' (۱۹۶۳: ۵)

حالی نے یہاں یہ بیان نہیں کیا کہ انہوں نے غالب کے حالات و واقعات کیلئے کن کتابوں سے استفادہ کیا۔ ''یادگارِ غالب'' کی اشاعت سے قبل ''آبِ حیات'' شائع ہو چکی تھی، بعض محققین کے خیال میں ''آبِ حیات'' ہی ''یادگارِ غالب'' کی اشاعت کا سبب بنی اور بعض نے اس بات کی بھی نشاندہی کی ہے کہ ''یادگارِ غالب'' کا ایک اہم ماخذ ''آبِ حیات'' بھی ہے لیکن حالی نے کہیں بھی اس اہم ترین ماخذ کا ذکر نہیں کیا۔

خلیل الرحمٰن داؤدی ''یادگارِ غالب'' میں لکھتے ہیں:

''مولانا حالی کا ماخذ آبِ حیات ہے'' (۱۹۶۳: ۱۰۵)

اس کے ثبوت میں داؤدی نے چند لطائف کی بھی نشاندہی کی ہے اور چند اقتباسات بھی پیش کئے ہیں جو کہ ہو بہو ''آبِ حیات'' سے نقل شدہ ہیں جیسا کہ حالی نے خود بیان کیا ہے کہ ان کا اصل مقصد غالب کی شاعرانہ عظمت کو ثابت کرنا تھا

اسی لئے انہوں نے سوانح کے دیگر پہلوؤں پر زیادہ توجہ نہ دی۔ حالی تحقیق کے تقاضوں اور اس کی اہمیت و افادیت سے بخوبی آگاہ تھے اور اس کیلئے قدیم لٹریچر سے استفادے کی طرف اشارہ کرتے تھے۔

''یادگارِ غالب'' کے آخر میں ''خاتمہ'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> ''جس طرح زمانہ حال کے انجینئر قدیم عمارتوں اور پرانے کھنڈروں سے انجینئرنگ کے متعلق صدہا مفید نتیجے استخراج کرتے ہیں اسی طرح اس زمانے کے ناظم اور ناثر قدیم لٹریچر سے بہت کچھ لٹریری فائدے حاصل کر سکتے ہیں'' (۱۹۶۳: ۵۸۰)

شاید یہی وجہ ہے کہ شیخ سعدی کی سوانح لکھتے وقت تو انہوں نے قدیم لٹریچر سے استفادے کی بھرپور کوشش کی اور سخت محنت سے مواد جمع کیا لیکن ''یادگارِ غالب'' کے ضمن میں انہوں نے کچھ پہلو نظرانداز کر دیئے۔ مالک رام ''اُردو میں تحقیق'' میں لکھتے ہیں:

> ''شاید مصنف کے ذہن میں یہ بات رہی ہو کہ مرزا مرحوم کے ملنے والے اور دیکھنے والے موجود ہیں، وہ ان کے بیشتر حالات جانتے ہی ہیں اس لئے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں چنانچہ انہوں نے بعض اہم اور نمایاں واقعات سے تجاوز نہیں کیا اور زیادہ توجہ مرزا کے اردو فارسی کلام نظم و نثر کی خوبیاں اُجاگر کرنے پر مبذول کر دی کہ ان کے خیال میں یہی ان کی عظمت اور بزرگی کی یادگار تھی'' (سلطانہ، ۲۰۰۱: ۸۳)

حالی نے ''یادگارِ غالب'' لکھنے سے پہلے اس کا کوئی خاص خاکہ نہ بنایا تھا یہی وجہ ہے کہ یہ ان کی سوچ سے بڑھ کر طوالت کا شکار ہو گئی۔ کتاب میں ہیئت کے اعتبار سے بے ڈھنگا پن پیدا ہوا نیز مواد کی چھان پھٹک بھی پورے طور پر نہ ہو سکی حتیٰ کہ غالب کی اپنی تحریروں سے جو مزید مواد مل سکتا تھا اس سے بھی کماحقہ فائدہ نہ اٹھایا جا سکا یہی سبب ہے کہ شیخ محمد اکرام، مولانا غلام رسول مہر، قاضی عبدالودود اور بعض دوسرے محققوں کو حالی کے اکثر بیانات کو چیلنج کرنا پڑا (وحید، ۱۹۶۵: ۲۵۷) بعد میں آنے والے محققین اور ناقدین نے ''یادگارِ غالب'' میں سے بے شمار اغلاط کی نشاندہی کی۔ اس کے ناقص محققانہ پہلو اجاگر کئے جس میں سنین کی اغلاط بھی تھیں اور واقعات کی بھی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے بقول:

> ''یادگارِ غالب میں حیات غالب کے پیچیدہ مسائل کو غیر حل شدہ صورت میں چھوڑ دیا گیا ہے مثلاً عبدالصمد کی شاگردی کا مسئلہ، مرزا کے مذہب کا سوال، مرزا کی بےقدری کے اسباب وغیرہ وغیرہ'' (۱۹۹۴: ۱۱۰)

ان تمام محققانہ اغلاط کے باوجود ''یادگارِ غالب'' کو غالب کی سوانح عمریوں میں بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے کیونکہ حالی کے پیش نظر تحقیق نہ تھی بلکہ غالب کی شاعرانہ عظمت کا بیان تھا۔ ڈاکٹر عبدالقیوم رقمطراز ہیں:

> ''تحقیقی خامیوں کے باوجود ''یادگارِ غالب'' اپنی دلکشی، دلچسپی اور غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے اُردو ادب میں بیش بہا اضافہ ہے'' (۱۹۶۴: ۱۹۷)

حالی سے پہلے اُردو میں سوانح نگاری کا کوئی نمونہ موجود نہ تھا، خاص طور سے کسی زندہ یا اپنے ہی عہد کی کسی شخصیت کی سوانح لکھنے کا کوئی نمونہ نہ تھا، ایسے میں حالی نے خود ہی ''یادگارِ غالب'' کا تمام تر خاکہ ترتیب دیا۔ ان کا اہم ترین ماخذ غالب کا کلام اور ان کے خطوط ہیں۔ اس کتاب میں بعض مقامات پر ایسے تضادات موجود ہیں جو کہ غالب کے اپنے خاندان کے بارے

میں' اپنے بیان کردہ ہیں۔ حالی نے غالب کی بیان کردہ باتوں پر، تحقیق کی ضرورت بالکل بھی محسوس نہیں کی یا اس طرف ان کا دھیان نہیں گیا۔ محققانہ سقم کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ جیسا کہ حالی کے اپنے بیان کے مطابق انہوں نے غالب کے بارے میں اس عہد کی ان شخصیات سے رجوع کیا جو غالب کے دوست یا جاننے والے تھے اور ان کی بیان کردہ معلومات پر بھی مزید تحقیق کی ضرورت محسوس نہ کی اور ان کو بھی من وعن بیان کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے بھی غالب کے بارے میں جو معلومات فراہم کیں، ان کی بنیاد ان کے حافظے پر تھی۔ پھر یہ کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے نتیجے میں غالب کے بہت قریبی عزیز' دوست ان سے بچھڑ گئے جو کہ غالب کے بارے میں بہتر آگاہی رکھتے تھے۔ حالی نے واقعات' حالات اور معلومات کی چھان بین کرنے کی بجائے سب کچھ بعینہٖ لکھ دیا جو کہ تحقیق کے سقم کی ایک بڑی وجہ ہے۔

غالب کی زندگی کے بعض پہلو بہت اہم اور نمایاں تھے مثلاً سفر کلکتہ وغیرہ، اس ضمن میں بھی حالی کی بیان کردہ بعض معلومات ناقص ہیں اور بعض بیانات میں تضاد بھی پایا جاتا ہے خاص طور پر سنین کے بیان میں اور اس کی اغلب وجہ یہی ہے کہ زیادہ تر معلومات کا انحصار حافظے اور یادداشت پر ہے یا تواریخ کے معاملے میں اندازے قائم کئے ہیں وجہ یہی ہے کہ ''یادگارِ غالب'' لکھتے وقت حالی کے ذہن میں یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ ''یادگارِ غالب'' کی صورت میں تاریخ رقم کر رہے ہیں بلکہ ان کا اصل مقصد غالب کو بڑا شاعر ثابت کرنا تھا۔ پروفیسر حمید احمد خاں کے نزدیک:

> ''گزشتہ تیس پینتیس برس میں یادگارِ غالب پر ہر رنگ کی نکتہ چینی کی گئی ہے لیکن ساتھ ہی ہر موافق ومخالف رائے اس کتاب کو غالب فہمی کیلئے ایک ناگزیر ماخذ بھی تسلیم کرتی ہے'' (س ن: ۳۶)

سر سید احمد خاں ایک مختلف الحیثیات شخص تھے، انہوں نے اپنی ہنگامہ خیز زندگی میں سیاسی' تعلیمی' مذہبی' ادبی' تحقیقی' غرض ہر قسم کے علمی اور قومی مشاغل میں نمایاں حصہ لیا۔ انہوں نے عمل کے ہر میدان میں اپنا نقش بٹھایا اور ہر جگہ دیرپا اثرات باقی چھوڑے (عبداللہ،۱۹۹۴: ۰۳)۔ اور حالی کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ''حیات جاوید'' کی صورت ایک ایک نقش کو آنے والی نسلوں کیلئے محفوظ کر لیا۔ حالی سے قبل کرنل گریہم' انگریزی زبان میں سر سید احمد خاں کے حالات پر ایک کتاب لکھ کر اس سلسلے کا آغاز کر چکے تھے بعد ازاں منشی سراج الدین احمد نے بھی سر سید کے حالات قلمبند کرنے کی کوشش کی مگر وہ اسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ حالی اس سے قبل دو سوانح عمریاں لکھ چکے تھے اور سوانح نگاری اور تحقیق کے اصولوں اور طریقہ کار سے نہ صرف آگاہ ہو چکے تھے بلکہ کچھ اصول تخلیق بھی کر چکے تھے اس لئے انہوں نے ان اصولوں کو زیادہ بہتر انداز میں ''حیات جاوید'' میں برتا۔ جہاں ایک طرف وہ سوانح نگاری کے اصولوں سے آگاہ تھے اور انہیں برتنے کا سلیقہ جان چکے تھے' وہیں زمانے کے تقاضوں سے بھی باخبر تھے۔ پہلی دو سوانح عمریوں کے لکھتے وقت حالی کے خیالات یہ تھے:

> ''اگر چہ ہندوستان میں، جہاں ہیرو کے ایک عیب یا خطا کا معلوم ہونا اس کی تمام خوبیوں اور فضیلتوں پر پانی پھیر دیتا ہے، ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ کسی شخص کی بائیوگرافی کریٹیکل طریقہ سے لکھی جائے، اس کی خوبیوں کے ساتھ، اس کی کمزوریاں بھی دکھائی جائیں اور اس کے عالی خیالات کے ساتھ اس کی لغزشیں بھی ظاہر کی جائیں، چنانچہ اسی خیال سے ہم نے جو دو ایک مصنفوں کا حال اب سے پہلے لکھا ہے، اس میں جہاں تک ہم کو معلوم ہو سکیں ان کی اور ان کے کلام کی خوبیاں ظاہر کی ہیں اور ان کے پھوڑوں کو کہیں ٹھیس نہیں

لگنے دی'' (۱۹۸۴:۱۰)

تحقیق کا بنیادی تقاضا بھی کھوٹے اور کھرے کو الگ الگ کرنا اور خوبیوں کے ساتھ خامیوں کا بیان کرنا ہے۔ حالی تحقیق کے اس تقاضے سے آگاہ بھی تھے اور اسے عملی جامہ پہنانے کے خواہاں بھی تھے لیکن اس کے ساتھ ہی اہل ہند کے مزاج سے بھی آشنا تھے اسی لئے انہوں نے ابتدا میں اس اصول سے چشم پوشی کی کوشش کی لیکن ''حیات جاوید'' میں وہ تحقیق کے اس تقاضے کو پورا کرنے کا پختہ عہد بھی رکھتے تھے۔ الطاف حسین حالی ''حیات جاوید'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''ایسے شخص کی لائف چپ چاپ کیونکر لکھی جا سکتی ہے، ضروری ہے کہ اس کا سونا کسوٹی پر کسا جائے اور اس کا کھرا پن ٹھوک بجا کے دیکھا جائے'' (۱۹۸۴:۱۰)

اب رہا اس پر عمل؟ سو اس کے متعلق یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ مولانا حالی نے اپنی بعض 'مجبوریوں' کے باوجود ایک خاص حد تک اس اخلاقی جرأت کا ثبوت پیش کیا ہے جس کی غایت یہ ہے کہ حیات کے ''موضوع'' (ہیرو) کی زندگی کی اصل تصویر سامنے آ جائے اور ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ حیات کے ہیرو نے اپنی زندگی کے نشیب و فراز میں کہاں کہاں ٹھوکر کھائی اور کن کن موقعوں پر اس کا قدم صراطِ مستقیم پر رہا (عبداللہ،۱۹۹۴:۱۳۱)

حالی نے ''حیات جاوید'' کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے۔ پہلے حصے میں سرسید احمد خان کے حالاتِ زندگی کا بیان ہے اور دوسرے حصہ میں ان کی زندگی اور کارناموں پر ریویو ہے۔ حالی نے ''حیات جاوید'' لکھنے میں سخت محنت کی اور اصل ماخذات تک رسائی کی ہر ممکن کوشش کی اور دیباچہ میں ان ماخذات کا ذکر بھی کیا ہے جن سے مدد لی، اس میں کرنل گریہم کی کتاب اور منشی سراج الدین احمد کے مسودات بھی شامل ہیں، اخبارات اور رسائل سے مواد اکٹھا کیا ہے۔

''حیات جاوید'' میں حالی نے سرسید کے حالاتِ زندگی تاریخوں کے ساتھ بیان کئے ہیں اور اس سلسلہ میں خاص احتیاط کی ہے۔ ''یادگارِ غالب'' کی بہ نسبت ''حیات جاوید'' لکھتے وقت حالی کو یہ احساس تھا کہ وہ محض سرسید احمد خان کی سوانح ہی نہیں لکھ رہے بلکہ ہندوستان کے ایک خاص اور اہم ترین عہد کی تاریخ بھی رقم کر رہے ہیں اسی لئے انہوں نے تاریخ کو تحقیق کے سہارے محفوظ کرنے کا خاص التزام کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کی یہ تصنیف آنے والوں کے لئے سنگ میل ثابت ہوگی۔ اس ضمن میں ''حیات جاوید'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''سرسید کی لائف پوری یا ادھوری جیسی کہ ہم سے بن آئی قوم کیلئے مرتب کر دی ہے اور اگر ہمارا قیاس غلط نہ ہو تو آئندہ مصنفوں کے لئے کم سے کم ایک داغ بیل ضرور ڈال دی ہے جس کی حدود میں وہ ایک وسیع عالیشان عمارت آسانی سے تیار کر سکتے ہیں'' (۱۹۸۴:۹)

سرسید جیسی جامع الحیثیات شخصیت کی سوانح لکھنا ہرگز آسان کام نہ تھا اور نہ ہی حالی نے اسے آسان کام سمجھا بلکہ ان کے نزدیک یہ کام ''قومی فرض کی ادائیگی'' تھا اور اس کیلئے انہوں نے حقائق تک رسائی کی مقدور بھر کوشش کی یہاں تک کہ چند ماہ علی گڑھ میں بھی قیام کیا اور سرسید سے متعلق مواد اکٹھا کیا۔ حالی لکھتے ہیں:

''میں نے چند ماہ علی گڑھ میں قیام کیا جہاں خود سرسید اور ان کی لائف لکھنے کا تمام سامان موجود تھا اور اس کے بعد کئی دفعہ اسی کام کیلئے وہاں جا جا کر ٹھہرا'' (۱۹۸۴:۸)

حالی نے ''سوالنامے'' کے ذریعے بھی حقائق دریافت کرنے کی کوشش کی۔ جدید دور میں تحقیق میں سوالنامے کی اہمیت مسلم ہے اور حالی نے اس دور میں تحقیق کے اس آلے سے استفادے کی کوشش ان کی محققانہ بصیرت کی آئینہ دار ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''کم وبیش سو سوال ایک کاپی میں لکھ کر سرسید کے پاس بمقام علی گڑھ اس غرض سے بھیجے کہ ان کے جواب مختصر طور پر لکھ دیں'' (۱۹۸۴: ۷)

اگرچہ سرسید نے ان سوالات کے جوابات نہ لکھے لیکن حالی کی یہ ایک اہم محققانہ کاوش تھی۔ حالی نے ''حیات جاوید'' میں جو اقتباسات درج کئے ہیں، ان کے حوالے بھی ساتھ ساتھ دیئے ہیں لیکن صفحات درج نہیں کئے۔ شبلی نے اسے ''مدلل مداحی'' اور ''کتاب المناقب'' کہا کیونکہ حالی نے اپنے 'ہیروٗ' کی خوبیوں کو نمایاں انداز میں بیان کیا ہے اور ان کی خامیوں کو نظرانداز کر کے تحقیق کے تقاضے پورے نہیں کئے علاوہ ازیں بہت سے اہم واقعات کا ذکر سرسری انداز میں کیا ہے مثلاً ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی وغیرہ کا تذکرہ اور اس معاملہ میں کوئی تحقیقی کاوش نہیں کی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے 'طیف نثر'' میں ''حیات جاوید'' کے چند عیوب گنوائے ہیں کہ:

> ''(۱) حالی نے اس بائیگرافی کے جسم کی موزونیت کا خیال نہیں کیا یعنی وہ باتوں کو پھیلاتے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بائیگرافی جسم کے اعتبار سے قدرے بے ڈھنگی اور لمبوتری ہو گئی۔
>
> (۲) اس میں تکرار واقعات کا عیب بھی پایا جاتا ہے۔
>
> (۳) اس بائیگرافی کے اندازِ بیان میں تشریحی اندازِ بیان کی خصوصیت نظر آتی ہے جو بائیگرافی میں اچھی نہیں لگتی'' (۱۹۶۷: ۱۹۵)

مذکورہ بالا عیوب سوانح نگاری کے ہیں اور تحقیقی نکتہ نظر سے بھی قابل گرفت ہیں اور حالی نے اس میں جو اندازِ بیان اختیار کیا ہے وہ بھی دلچسپی سے خالی ہے لیکن محققین اور ناقدین نے اس کے محرکات پر بھی نظر ڈالی ہے کہ ایک تو سرسید متضاد شخصیت تھے، دوسرے حالی ان کے قریبی ساتھی تھے اور سرسید کی کاوشوں کے چشم دید گواہ بھی اسی لئے انہوں نے سرسید احمد خان کی خوبیوں کو زیادہ نمایاں کیا اور اہم وجہ جو حالی خود بھی جانتے تھے کہ حالات کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ہیرو کے عیوب سے چشم پوشی برتی جائے اور ایک اہم وجہ حالی کی شریف النفسی تھی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

> ''بقول مہدی افادی:
>
> ایک شریف انسان نے ایک شریف تر انسان کی ہمدردانہ سرگزشت لکھی ہے'' (افاداتِ مہدی)

حالی نے سرسید احمد خان اور ان کے عہد کے حالات کے بارے میں مواد کی جمع آوری میں سخت محنت سے کام لیا۔ جو واقعہ بھی درج کیا، سند کے ساتھ درج کیا، حوالہ جات کا ذکر کیا ہے۔ مالک رام اس کے محققانہ پہلو کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> ''تحقیقی نقطہ نظر سے اس میں کوئی خامی نہیں' مواد نہایت محنت اور کاوش سے جمع کیا گیا ہے جو خوش اسلوبی سے قلمبند ہوا ہے اور مصنف نے پوری ایمانداری اور خلوص سے اپنے نتائج بیان کر دیئے ہیں۔ غرض تحقیقی لحاظ سے یہ بہت کامیاب تصنیف ہے اور اب اس پر کسی اضافے کا امکان نہیں ہے'' (سلطانہ، ۲۰۰۱: ۸۵)

حالی کی تینوں سوانح عمریوں میں محققانہ بصیرت بدرجہ اتم موجود ہے۔ حالی باقاعدہ محقق نہ تھے لیکن محققانہ شعور رکھتے

تھے،مشرقی ماحول کے پروردہ تھے لیکن مغربی علوم سے استفادہ کے مواقع بھی ملے اور انہوں نے سوانح نگاری میں دونوں کے اصولوں کو بڑی مہارت سے برتا۔سوانح عمریوں کے علاوہ کچھ مضامین بھی لکھے، ان میں بھی تحقیق کا عنصر ملتا ہے۔اگر وہ با قاعدہ تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے تو اس میدان کے بھی شہسوار ہوتے۔

حواشی:

۱۔ اسماعیل پانی پتی، شیخ محمد، (مرتب)، (۱۹۷۰ء) حیات سعدی، (طبع دوم)، لاہور: مجلس ترقی ادب

۲۔ حمید احمد خان، (مرتب)، (س ن)، ارمغانِ حالی، لاہور: ادارہ ثقافت ملیہ

۳۔ سلطانہ بخش، ایم، ڈاکٹر، (مرتب)، (۲۰۰۱ء)، اُردو میں اصول تحقیق، (طبع چہارم، ج۱)، اسلام آباد: ورڈویژن پبلشرز

۴۔ سلطانہ بخش، ایم، ڈاکٹر،(مرتب)، (۲۰۰۱ء)، اُردو میں اصول تحقیق، (طبع چہارم، ج۲)، اسلام آباد: ورڈویژن پبلشرز

۵۔ عبدالقیوم،ڈاکٹر، (۱۹۶۴ء)، حالی کی اُردو نثر نگاری، لاہور: مجلس ترقی ادب

۶۔ عبداللہ،ڈاکٹر سید، (۱۹۹۴ء)، سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء کی اُردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، (طبع سوم)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان

۷۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، (۱۹۶۷ء)،طیف نثر، (طبع سوم)، لاہور: لاہور اکیڈمی

۸۔ مالک رام، (۱۹۷۵ء)، ذکر غالب، لاہور: مکتبہ شعروادب

۹۔ مہدی افادی،(س ن)، افاداتِ مہدی